مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

علامہ اصغر علی روحی

۔اس مقام پر مناسب نظر آتا ہے کہ بعض ان آیات کے متعلق ان اعتراضات کو رفع کیا جائے۔ جوگاہ وبیگاہ عیسائی مشنری لوگ مختلف انبیاء علیہم السلام کی نسبت عائد کیا کرتے ہیں اور ناواقفوں کو دھوکا دے کر خدا کی لعنت کے مستوجب قرار پاتے ہیں۔

حضرت ابوالبشر علیہ السلام

آپ کے متعلق معترضین آیات ذیل سے تمسک کیا کرتے ہیں (الف) عصی آدم ربہ فغوی (ب) ولاتقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین (ج) فتاب علیہ (د) فازلھم الشیطن.........الخ.

وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت الف سے آپ کا عاصی ہونا اور آیت ب سے ظالم ہونا اور آیت ج سے تائب ہونا اور آیت دال سے شیطان کے بہکانے پر سرکشی کرنا ثابت ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ بے شک ظاہر الفاظ سے یہی امور ثابت ہوتے ہیں مگر خود قرآن مجید نے اس امر کا فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ سب کچھ آدم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ تھا۔ اجو خلاف مرضیءالٰہی تھا۔ جو محض شیطان کو اپنا خیر خواہ تصور کرنے اور اس کی رائے کو اپنے حق میں مفید سمجھنے سے واقع ہوا۔ حاشا و کلا کہ کسی آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس حال میں کہ انہیں ممانعت کا حکم دیا گیا تھا اور باوجود اس کے نہیں یقین تھا کہ ایسا کرنا گناہ ہے شجرہ ممنوعہ کے کھانے پر اقدام کیا ہو۔ کیونکہ نبی اللہ سے ایسی حالت میں کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ آیات ذیل سے یہ جواب مستنبط ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالی: قال لھما مانھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الاان تکونا ملکین اوتکونا من الخالدین وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین ۔اس آیت کا ایک ایک لفظ اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مع ان کی بیوی کے شیطان کی طرف سے دھوکا دیا گیا۔ یعنی شیطان نے انہیں جماعت ملائکہ میں داخل ہوجانا اور بہشت میں ہمیشہ زندہ رہنے کا چکمہ دیا۔ اور قسم کھا کر بیان کیا۔ کہ درخت ممنوعہ کا کھالینا تمہارے حق میں موجب صلاح وفلاح ہوگا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے لئے

حسب فرمان ایزدی ضروری یہ تھا کہ آپ ابلیس کے دام تزویر میں نہ آتے مگر بوجہ نسیان عہد کے آپ سے بطور سہو فعل ممنوع کا ارتکاب ہوگیا۔ کیونکہ عہد کا فراموش ہوجانا اور شیطان کے بظاہر مفید مشورہ پر عامل ہونا آپ کے لئے کافی محرک تھے۔ چونکہ ارتکاب فعل میں صورت عمد ہرگز متحقق نہیں بلکہ آپ نے بنظر اصلاح اس کا ارتکاب کیا۔ اس لئے کسی طرح بھی یہ فعل حقیقی معنی میں گناہ نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالی ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجدلہ عزما ۔ اس آیت سے صاف طور پر واضح ہے کہ آدم علیہ السلام کو ارتکاب فعل کے وقت حکم ذات باری سے نسیان ہوگیا تھا۔ اور ہرگز آپ کا فعل بہ نیت اکتساب جرم نہیں تھا۔ کیونکہ عزم کی نفی کردینے سے بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے یہ فعل اس علم اور نیت سے نہیں کیا تھا۔ کہ وہ فعل عنداللہ جرم سمجھا جائیگا اور جس فعل میں علم اور نیت ثابت نہیں وہ ہرگز تعریف جرم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ البتہ بظاہر جرم کی صورت بے شک ثابت ہے اس لئے اس پر عصیان غوایت ظلم وغیرہ الفاظ کا اطلاق کیا گیا۔ پس درحقیقت آدم علیہ السلام کو جو مواخذہ ہوا وہ کسی حقیقی ارتکاب جرم پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس غفلت اور غلطی کی پاداش میں تھا جو آپ سے ابلیس کے حق میں حسن ظن قائم کرلینے پر صادر ہوئی جبکہ انہیں شیطان کے دشمن ہونے کا واقعہ پہلے سے معلوم تھا۔

نوح علیہ السلام

آپ کے متعلق معترضین آیہ:۔ ولاتسئلن مالیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین ... ۲۔ پیش کیا کرتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کے اہل کے بچالینے کا وعدہ ہوچکا تھا آپ نے قرابت ظاہری کو مدنظر رکھ کر بیٹے کو اپنے اہل میں داخل سمجھا اور یہ ایک اجتہادی غلطی تھی نہ جرم جس پر آپ کو کہا گیا انہ لیس من اھلک یعنی یہ تیرے اہل میں داخل نہیں بلکہ ناخلف ہے۔ مگر چونکہ مقام نبوت کی رفعت شان کی رو سے ایک نبی اللہ کے لیے ایسی اجتہادی غلطی کوئی سرسری بات نہیں تھی اس لئے الفاظ مذکورہ بالا میں ڈانٹ ہوئی چنانچہ آپ نے فی الفور رجوع کرکے توبہ کی اور رضائے الٰہی کو اپنا قدوہ سمجھا۔ پس صورت مذکورہ بالا میں نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ارتکاب گناہ کے لئے کوئی عمد۔

ابراہیم علیہ السلام۔

آپ کے متعلق مختلف اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں ہم ہر ایک کو مع جواب علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

☆بیع صرف: چاندی یا سونے کی بیع چاندی یا سونے کے بدلے میں☆

(الف) آپ نے ستاروں کے اوضاع میں غور کر کے اپنے بیمار ہونے کا استدلال کیا۔قال اللہ تعالی فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اس فعل سے ہرگز ستارہ پرستی نہیں پائی جاتی کیونکہ اللہ تعالی نے عالم کائنات میں تمام اشیاء کے لئے خواص قائم کیے ہیں جن سے خاص خاص نتائج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔مثلاً قمر کے طلوع وغروب اور دیگر اوضاع سے سمندروں کے مدوجزر پر استدلال کرنا اہل طبیعات کا مشہور مسئلہ ہے۔آفتاب کا مختلف اشیاء جمادی۔نباتی۔حیوانی میں مؤثر ہونا ایک ایسا بین اور بدیہی امر ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔تو اگر آپ نے اوضاع نجوم سے اپنی بیماری کا استدلال کیا تو اس میں کیا قباحت لازم آگئی۔کیونکہ جہاں سیاروں کے مختلف اشیاء پر آثار مختلفہ کا مشاہدہ ایک یقینی امر ہے تو ان میں سے بعض سیاروں کے کسی خاص وضع میں ہونے سے آثار بیماری کے وجود کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ابر۔برق۔رعد۔وغیرہ کے بعض کھیتوں یا پھلوں پر جو آثار مخالف یا موافق مترتب ہوتے ہیں۔آخر ان میں بھی تو کوئی نہ کوئی وجہ ربط قائم کرنی پڑتی ہے۔پھر صورت متنازعہ فیہ کو کیوں قابل اعتراض سمجھا گیا۔ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض سیارات کے اوضاع مخصوصہ کا نتیجہ بیماری یا صحت ہوسکتی ہے۔اور اس میں نہ تو شرعاً کوئی بات قابل گرفت ہے اور نہ عقلاً۔بے شک شریعت اسلامی نے لوگوں کو اوضاع نجوم کے متعلق آثار کے استدلال کرنے سے روکا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صابی فرقہ کے لوگ ستارہ پرست تھے جو نجوم کو فاعل اور مدبر یا علت مستقلہ باور کرتے تھے اور یہ عین شرک ہے لیکن اگر کسی سیارہ کی کسی خاص وضع کے متعلق کسی خاص اثر کو اس طرح تسلیم کیا جائے جس طرح نباتی اشیاء میں اللہ تعالی نے اپنی حکمت کاملہ سے خواص قائم کئے ہیں جن سے ہم روزمرہ مستفید ہوتے ہیں۔تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے بلکہ اس سے حکیم مطلق کی حکمت بالغہ پر استدلال انسان کو موحد خالص بنادیتا ہے۔کوئی سمجھدار آدمی یہ تسلیم نہیں کرے گا۔کہ اس قدر بے شمار سیاروں کا پیدا کرنا محض عبث ہے۔جبکہ یہ مسلم ہے کہ سلسلہ کائنات کی کوئی چیز بھی عبث نہیں۔ربنا ماخلقت ھذا باطلا..... معترض اگر اندھی تقلید کو ترک کر کے غور کرتا تو ہرگز اس کے دل میں اس قسم کا کوئی خلجان پیدا نہ ہوتا۔

(ب) آپ نے بت خانہ کے پجاریوں کی غیر حاضری میں بتوں کو توڑ ڈالا اور جب ان لوگوں نے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا۔بل فعلہ کبیرھم۔یعنی بڑے بت نے انہیں توڑا حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ آپ نے اس سے استدلال توحید کی طرف ان لوگوں کو نہایت لطیف پیرا سے متو

☆بیع تعاطی: بیع (ایجاب قبول کیے بغیر قیمت دے کر مبیعہ لے لینا) ☆

کرنا چاہا جس سے ان پر ایک قسم کا الزام قائم ہوجائے اور وہ بت پرستی کو غلط مذہب سمجھ کر دین حق کی طرف رجوع کریں۔ چونکہ وہ لوگ بتوں کو فاعل خیر وشر سمجھتے تھے اس لئے جب انہیں ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک جماد بے حس وحرکت جو اپنی ذات کے خیر وشر کا مالک نہیں ہوسکتا وہ کسی غیر کے لئے کب مفید ومضر ہوسکتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انہیں خالق الخیر والشر کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے الفاظ میں توبیخ اور سرزنش کرنے کی بجائے انہیں عملی طور پر سمجھا دیا کہ۔ یہ بیچارے جب خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے تو تمہارے لئے کیا مفید ہوں گے۔ اور درحقیقت اس جواب سے بہتر اور کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔ سو یہ کسی طرح بھی جھوٹ کی تعریف میں داخل نہیں۔ کیونکہ جھوٹ خواہش نفسانی کا نتیجہ ہے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی کا اضرار مخفی ہوتا ہے۔

(ج) آپ نے اپنی بیوی سارہ کی نسبت ایک ظالم کے اس سوال پر کہ یہ کون ہے فرمایا کہ میری بہن ہے اور یہ جھوٹ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح ہے اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں عربی زبان میں ایسے کلام کو معاریض الکلام بولتے ہیں یعنی متکلم ایسا کلام کہے جو دو مختلف معنی کا افادہ کرسکے جن میں ایک تو قریب الفہم اور دوسرا ذرا غور کرنے پر موقوف ہو۔ اس قسم کا کلام باتفاق علما ہرگز جھوٹ میں داخل نہیں بلکہ کسی شخص کی بلاغت اور ذہانت کا نتیجہ ہے۔ اور بعض مواقع پر ایسا کلام نہایت مفید ثابت ہوتا ہے اس اصل کے رو سے ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ میری بہن ہے ہرگز جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ درحقیقت آپ کا مطلب یہ تھا کہ ملت حقہ نئے میرے اور اس عورت کے درمیان بہن بھائی کا رشتہ قائم کردیا ہے چنانچہ اسی خیال پر مسلمانوں کو انما المؤمنون اخوۃ کی تعلیم دی گئی ہے۔ حالانکہ کوئی حقیقی اخوت باہم نہیں ہوتی ایک حدیث میں آیا ہے لایخطب احدکم علی خطبة اخیه یعنی جب تمہارا بھائی کسی عورت سے نکاح کرنا قرار دے چکا ہو تو دوسرے کو اس سے نکاح کرنے کے لئے سعی نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ عام لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ حیلہ حوالہ کرکے ایک شخص کسی دوسرے کی منگنی کو فسخ کرادیتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔ اس حدیث میں بھی بھائی کا لفظ محض دینی اشتراک کی رو سے اطلاق کیا گیا ہے۔

ایک اور توجیہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سارہ آپ کی بیوی اور آپ کا خاندان ایک ہی تھا۔ اور خاندان کے مردوں اور عورتوں کو عام طور پر باہم بہن بھائی کہہ دینا عام دستور ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید میں آیہ والی

☆بیع بظربتہ القانص: شکار کا ایک یا دو مرتبہ جال پھینکنے کو فروخت کرنا۔ (ھدایہ)☆

مدین اخاھم شعیبا میں موجود ہے کیونکہ شعیب علیہ السلام کو محض ان لوگوں کے ہم قوم ہونے کی وجہ سے ان کا بھائی کہا گیا حالانکہ آپ ان کے حقیقی بھائی نہ تھے۔

(د) آپ نے پہلے ستارہ کو پھر چاند کو پھر سورج کو علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو اپنا رب قرار دیا اور یہ شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض نے قرآن مجید کے طرز استدلال کو نہیں سمجھا اور ظاہر ترکیب سے اصل مدعا کو اخذ نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ بالکل غلط بلکہ سخت اتہام ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اجرام سماویہ کو واقعی اپنا معبود سمجھا ۔اور پھر رجوع کیا کیونکہ اس واقعہ کے وقت سے پہلے اللہ تعالی آپ کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔ ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنابہ علمین ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے اللہ تعالی کی طرف سے صلاح وہدایت پا چکے تھے۔ پھر کیونکر ان کے مشرک ہوجانے کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو آپ کے رجوع کرنے سے پہلے خدا تعالی کی طرف سے ضرور کوئی عتاب نازل ہوتا۔ جبکہ یہ مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو صغائر میں سہو ہوجانے پر بھی عتاب ہوتا رہا ہے اور شرک تو ظلم عظیم ہے پھر ایک ایسے جلیل القدر مرسل سے بلکہ بجائے عتاب کے اللہ تعالی بطور انعام کے یوں ارشاد فرماتا ہے۔ تلک حجتنا آتیناھا ابراھیم علی قومہ ونرفع درجات من نشاء ۔جس سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ آپ کا ستارہ اور چاند اور سورج کو علیحدہ علیحدہ پروردگار تسلیم کر کے پھر علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے لئے نفی ربوبیت کرنا ایک نہایت اعلی درجہ کا لطیف استدلال ہے جس سے صابی فرقہ کے لوگوں کو توبیخ اور ان پر الزام قائم کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ وہ لوگ نجوم پرستی کے مرض میں مبتلا تھے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو پہلے معبود تسلیم کر کے نفی ربوبیت کی وجہ بھی بتلا دی اور فرمایا لا احب الافلین ۔یعنی ایسے معبود جن کی حالت میں تغیر وزوال آتا رہتا ہے بھلا کیونکر معبود قرار پا سکتے ہیں اور یہ طریق استدلال بعینہ اس قسم کا ہے جو مذکورہ بالا سطور میں بتوں کے توڑ ڈالنے پر بغرض الزام آپ نے مشرکین کے سامنے پیش کیا تھا اور غالبا تعلیم یافتہ اصحاب اس طریق استدلال کی لطافت اور موثریت سے خوب واقف ہوں گے۔ کیونکہ خصم کے دعوی کو تسلیم کر کے ثبوت دعوی کے برخلاف نتیجہ کے اخذ کرنے پر خصم کے لئے حجت بازی کے تمام ابواب کو مسدود کر دیا جاتا ہے۔ اس طریق استدلال کو اصطلاح اہل فن میں برہان خلف بولا کرتے ہیں افسوس کہ معترض نے اصل استدلال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے الٹا نتیجہ اخذ کر لیا۔

(ہ) آپ نے اللہ تعالی سے سوال کیا کہ خدایا میں مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ

تبارک وتعالی نے فرمایا کہ کیا تم ہماری قدرت پر ایمان نہیں رکھتے آپ نے عرض کیا کہ بے شک میرا ایمان ہے کہ تو اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو زندہ کرسکتا ہے مگر میں اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔اس واقعہ سے معترضین یہ نتیجہ نکالا کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو احیائے موتی میں شک تھا۔نعوذ باللہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ قرآن مجید سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے رفع شک کے لئے بجناب باری تعالی ایسا سوال کیا تھا۔کیونکہ ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ اللہ تعالی پر جو مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے مردہ کو زندہ کر دکھانا ایک معمولی بات ہے مگر آپ نے محض بغرض انکشاف حقیقت احیاء سوال کیا کیونکہ یقین درجہ علم میں ویسا انکشاف نہیں رکھتا جیسا درجہ عیاں میں شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے بادشاہ ملک کے وجود کا یقین ہر ایک شخص کو بروجہ کامل ہوتا ہے مگر بایں ہمہ اسے آنکھوں سے دیکھنے کا شوق ہر ایک کے دل میں ہوتا ہے۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی شخص کو انگلستانی ولیعہد کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر اس کے وجود میں شک تھا۔مگر جب وہ اس ملک میں ادھر ادھر گھومتا پھرا تو تماشائیوں کا سراسر ہجوم ہوتا تھا۔کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔جو شخص فطرت انسانی کی غرابت پسندی کو خوب سمجھتا ہے اس کے نزدیک جناب ابراہیم خلیل اللہ کا مذکورہ بالا سوال بالکل ایک معمولی سوال تھا۔جو پورا کر دیا گیا۔اس اعتراض کو ایک صحیح حدیث میں بالفاظ نحن احق بالشک من ابراھیم رفع کیا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہ السلام کے لئے قدرت کاملہ ذات باری میں شک کرنے کا کوئی موقعہ ممکن ہوتا۔تو ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہوتے ہیں۔مگر جبکہ ہم بلا مشاہدہ کیفیت احیاء قدرت ذات باری پر کامل ایمان رکھتے ہیں جس میں کسی قسم کا شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے تھے۔یعنی آپ کا سوال کرنا بغرض رفع شک نہیں تھا۔

(و) آپ کے متعلق یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے باپ کے لئے جو کافر تھا جناب الٰہی میں مغفرت کی دعا کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارہ میں خدا تعالی کی طرف سے آپ کو کوئی ممانعت نہیں ہوئی تھی اور آپ باپ کی مدت حیات تک اس کے لئے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو آپ نے استغفار کو ترک کر دیا۔کیونکہ ایمان لانے کی امید اس کی موت پر منقطع ہوگئی۔چنانچہ خود قرآن شریف میں بالفاظ فلما تبین له انه عدو الله تبرا منه۵ آپ کی بریت کو واضح کیا گیا ہے۔اس لئے یہ اعتراض سخت کمزور ہے۔

☆خیار عیب: خرید کردہ چیز کو کسی عیب نکلنے کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار رکھنا☆

لوط علیہ السلام

آپ کی نسبت یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے اپنی قوم کو فرمایا لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید۔ آپ کے اس قول پر حدیث میں یوں وارد ہے۔ رحم اللہ اخی لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام کا مذکورہ بالا قول صحیح نہ تھا۔ کیونکہ ان کے قول سے غیر اللہ سے طلب مدد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض نے نہ تو آیت کا مطلب سمجھا ہے نہ حدیث کا۔ کیونکہ غیر اللہ سے بروجہ مجاز نصرت طلب کرنا ہرگز منع نہیں۔ خود جناب رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے مہاجرین انصار رضی اللہ عنہم سے مدد طلب کی اور مسیح علیہ السلام نے فرمایا من انصاری الی اللہ یعنی اللہ تعالی کے دین کی بابت میری نصرت میں کون کون شخص شریک ہوگا بلکہ اس طرح نصرت کا طالب ہونا عین قانون الہی ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ظاہر کیا گیا۔ ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض.....الخ۔ یعنی اگر اللہ تعالی اپنی حکمت کاملہ سے بعض اقوام کو دیگر اقوام کے ذریعہ سے نہ روکتا یعنی ایک کو غالب اور دوسری کو مغلوب نہ کرتا تو دنیا میں ایک عام خرابی پھیل جاتی۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوط علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ اللہ تعالی کی اس نصرت کے منتظر تھے جو بذریعہ ملائکہ خدا تعالی کی طرف سے کی جاتی نہ کسی اور نصرت کے۔ کیونکہ یہ محال عقلی ہے کہ ایک نبی اللہ اپنے تئیں خدا کی نصرت سے محروم سمجھنے لگے بلکہ یہ صریح کفر ہے۔ ر

آپ کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ نے قوم کے اوباشوں کو فعل شنیع سے روکتے وقت جبکہ وہ غالب آ رہے تھے فرمایا۔ ھولاء بنتی ھن اطھر لکم یعنی میری بیٹیاں تمہارے استعمال کے لئے موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خود لفظ اطہر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ برطریق شریعت تم ان سے متمتع ہو سکتے ہو۔ کیونکہ بطریق زنا متمتع ہونے کی صورت میں اطہر کا لفظ بیکار ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ہی محاورہ ہے جیسے کوئی کسی کو یوں کہے کہ تم نے میرا سو روپیہ ہضم کر لیا۔ کیا کوئی عاقل یہ سمجھ لے گا کہ سو روپیہ حلق کے راستہ سے اس شخص کے پیٹ میں اتر گیا۔ نہیں بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم نے میرا سو روپیہ اپنے حوائج ضروریہ میں برطریق معہود صرف کر لیا۔

☆خیار رویت: بغیر دیکھے کوئی چیز خرید کر دیکھنے کے وقت واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

یوسف علیہ السلام

(الف) آپ کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی بنیامین کو دوسرے بھائیوں سے علیحدہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور باپ کو ان کے فراق میں مبتلا کیا جس سے وہ سخت گھبرا گئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ فعل عین صواب تھا کیونکہ یہی امران کے لئے باپ کی ملاقات کا موجب ہوگیا۔اور اگر بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ لیتے تو دوسرے بھائیوں کو پھر مصر واپس آنے کا خیال پیدا نہ ہوتا اس لئے بطور یرغمال آپ نے ایسا کیا۔اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

(ب) آپ نے اپنے بھائی کے بارغلہ میں اپنا ایک برتن مخفی رکھ دیا اور بوقت کوچ نقیب کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کرلو چنانچہ ان لوگوں کو چور کہ کر پکارا گیا۔حالانکہ وہ درحقیقت چور نہ تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں چور کہ کر پکارنا ان کی اس فریب دہی پر مبنی تھا۔جوانہوں نے اپنے باپ کے ساتھ برتی اور یوسف علیہ السلام کو چرا کر لے گئے اور کنوئیں میں پھینک دیا۔کیونکہ اس کارروائی سے وہ درحقیقت چور تھے اور آپ کا انہیں چور کہنا بجا تھا۔کیونکہ ان کی ذات پر یہ معاملہ گذرا تھا اور وہ خوب واقف تھے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ چور کہنے سے خصوصا ان لوگوں کو یہ علم نہ ہوا کہ ہمیں کس جرم پر چور کہا گیا ہے اور جب برتن بوجھ سے برآمد ہوا تو انہوں نے یوں سمجھ لیا کہ شاید اس فعل کے جرم میں ہمیں چور کہا گیا ہے۔سو اس راز کے ان پر نہ کھلنے سے واقعہ کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

(ج) آپ نے اس زمانہ کے فرعون مصر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔جو کافر تھا۔اور ایک نبی اللہ کو کافر کی اعانت کرنا ہرگز جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا خدمت شاہی کو قبول کر لینا صرف اس غرض سے تھا۔کہ بادشاہ اور دیگر خواص سلطنت کو دین اسلام کی طرف توجہ دلا سکیں اور درحقیقت آپ کا یہ فعل ایک نہایت اعلی درجہ کی حکمت عملی پر مبنی تھا۔چنانچہ مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔قاضی بیضاوی آیہ قال اجعلنی علی خزائن الارض کے ذیل میں لکھتے ہیں۔وفیہ دلیل علی جواز طلب التولیت واظہارانہ مستدلھاوتولی من یدالکافر اذا علم انہ لاسبیل الی اقامۃ الحق وسیاست الخلق .....الخ۔یعنی اس آیت میں کافر کے ہاتھ سے ملازمت قبول کر لینے پر دلیل موجود ہے جبکہ معلوم

☆شیخین: فقہ میں شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ہیں (رحمہما اللہ تعالی) ☆

ہو کہ بجز اس طریق کے حق کی اشاعت اور عدل کی ترویج ناممکن ہے۔

(د) آپ کے والدین نے آپ کو سجدہ کیا جو عبادت غیر اللہ پر دال ہے۔

جواب یہ ہے کہ جس شریعت کے وہ تابع تھے اس میں والدین کے لئے سجود تحیت بجالانا منع نہیں تھا بلکہ فعل ثواب سمجھا گیا تھا۔ اور نیز اس سے آپ کے خواب کی تصدیق مقصود تھا جس کو حکم الٰہی ایسا کرنے پر مجبور تھی یا اس کی مثال سجود ملائکہ کی سی سمجھو جو وہ آدم علیہ السلام کے لئے بجالائے تھے۔

(ہ) آپ نے ایک قیدی کو جو زندان سے رہا ہوا کہا کہ بادشاہ کے سامنے میری بابت کچھ تذکرہ کیجو جس سے مقصود یہ تھا۔ کہ آپ نے نبی اللہ ہو کر غیر کی طرف التجا کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا۔ بلکہ آیہ **فانساہ الشیطان ذکر ربہ** سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے غافل ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ فعل عین صواب تھا۔ کیونکہ دفع ظلم کے لئے حیلہ کرنا فرض ہے۔ مع ہذا اس شخص کو ایک امر خیر کی طرف بھی توجہ دلانا مقصود تھا۔ تاکہ وہ صاحب حسنات ہو جائے۔ کیونکہ وہ اسلام لا چکا تھا۔ اور آیہ **فانسہ الشیطن الخ** کا ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ اس رہائی پانے والے شخص کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص یوسف علیہ السلام کی بابت بحضور بادشاہ ذکر کرنا بھول گیا یا اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا تو یوسف علیہ السلام کی حاجت کا اسے خیال رہتا اور بادشاہ کے حضور میں آپ کی بابت ضرور ذکر کرتا۔ چنانچہ آیہ **وادکر بعد امۃ** (ایک مدت گزرنے پر اس کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آ گئی) سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

(و) آیت: **ولقد ھمت بہ وھم بھا لولاان رآبرھان ربہ.....** کے متعلق بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ نے زلیخا سے امر شنیع کا قصد کیا تھا۔

اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور ہر دو صورت میں الزام مذکورہ بالا نبی اللہ پر عائد نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ زلیخا نے ارتکاب امر ممنوع کی بابت آپ کی طرف قصد کیا اور آپ نے مار پیٹ سے اسے روکنا چاہا۔ مگر آپ نے اپنی عصمت فطری کو جو منجملہ لوازم نبوت ہے مدنظر رکھ کر اپنے آقا کی بیوی سے ایسا سلوک پسند نہ کیا اور اس کو مار پیٹ کرنے سے باز رہے۔ گویا..... **ھم بھا**..... کے معنے **ھم بضربھا یابدفعھا**..... اور یہ محاورہ قرآن مجید نے استعمال کیا ہے قال اللہ تعالیٰ **وھمت کل امۃ برسولھم لیاخذوہ** اس تفسیر کو ملحوظ رکھ کر **لولا ان رابرھان ربہ** کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بریت ثابت کرنے کے لئے ایک برہان قاطع پر آپ کو آگاہ کر دیا اور وہ یہ تھی

صاحبین: فقہ میں صاحبین سے مراد امام ابو یوسف و امام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ)

کہ آپ باہر نکل بھاگے جب آقا نے دروازہ سے نکلتے دیکھا تو زلیخا نے آپ کو الٹا متہم کرنا چاہا۔ مگر گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ پیراہن دیکھنا چاہئے چنانچہ پیراہن دیکھا گیا اور یہ امر آقا کے نزدیک آپ کی بریت کے لئے ایک برہان قاطع ثابت ہوا۔ آیت مذکورہ بالا کی اس تفسیر میں کوئی کسی قسم کا تکلف نہیں بلکہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

دوم آیت..... ولقد همت به وهم بها لولا ان رآبرهان ربه میں همت به..... تک کلام کو ختم سمجھو اور..... هم بها لولا ان را..... الخ کو علیحدہ رکھو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ زلیخا نے امر ممنوع کے لئے آپ کی طرف قصد کیا اور آپ بھی قصد کر ہی ڈالتے اگر برہان رب کو ملحوظ نہ رکھتے۔ یعنی منصب نبوت اور عصمت فطری آپ کو مانع نہ ہوتے کیونکہ نبوت یا عصمت فطری سے بڑھ کر اور کوئی چیز عفت اور صداقت پر قائم رہنے اور مرکز روح سے جنبش نہ کرنے کے لئے دلیل نہیں ہوسکتی۔ مگر ہمیں یہ توجیہ پہلی توجیہ کی نسبت چنداں قابل التفات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ لولا کی جزا کے مقدم آنے کا سوال پیش آتا ہے جس کو بعض ائمہ نحو جائز نہیں رکھتے مع ہذا قراءت مشہورہ کے مطابق..... هم بها..... پر وقف کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زلیخا کا مابعد میں اپنے گناہ کا اقرار کرنا اور آپ کی بریت پر کامل شہادت دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے امر شنیع کے ارتکاب کا عزم بھی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ عزم کرنے اور خارجی حرکات قبل ارتکاب کے وقوع کے آنے کی صورت میں آپ بری نہیں ہوسکتے اور علم بلاغت کے قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے آیہ مذکورہ بالا کی ترکیب نحوی اس امر کا افادہ کرتی ہے کہ چونکہ ہر دو فعل..... همت اور..... هم..... کے مسند الیہ علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے ہم لفظ..... هم..... کا معنی وہی تجویز کرسکتے ہیں جو بمقتضائے حال ہر ایک مسند الیہ کے لئے مناسب ہوسکتے ہیں۔ مقتضائے حال یہ ہے کہ عورت اپنے حظ نفس کی طالب تھی اور یوسف علیہ السلام اس سے گریزاں تھے جیسا کہ سیاق وسباق آیت اس پر دال ہے۔ اور یہ بعینہ اسی قسم کی ترکیب ہے جو بنی اسرائیل کے حق میں آیہ: ان عدتم عدنا..... میں ملحوظ رکھی گئی۔ یعنی اگر تم سرکشی کی طرف عود کرو گے تو ہم عذاب کرنے کی طرف عود کرینگے۔ اور اسی معنی کی تائید آیت کے اگلے حصہ سے ہوتی ہے کیونکہ اگر یوسف علیہ السلام کی طرف سے بھی وہی قصد فعل صادر ہوا ہوتا جو اس عورت سے ہوا تھا تو اسلوب کلام یوں ہونا چاہئے تھا۔ كذلك لنصرفه عن السوء والفحشاء نہ اس طرح پر لنصرف عنه السوء والفحشاء کیونکہ سوء اور فحشا یوسف علیہ السلام سے ہٹا رکھنے سے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ سوء اور فحشا کا مصدر یوسف علیہ السلام کی ذات نہ تھی بلکہ غیر کی طرف سے عائد ہو رہے تھے اور خدائے تعالیٰ نے انہیں روک دیا۔ اگر یوسف علیہ السلام کو سوء وفحشاء سے

☆طرفین: فقہ میں طرفین سے مراد امام ابوحنیفہ وامام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) ☆

روک دیا۔اس توجیہ سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو مزعومہ واقعہ کے متعلق کسی قسم کا دخل نہیں تھا۔یہ وہ تقریر ہے جس پر خود آیت مذکور بالا کی ترکیب شہادت دے رہی ہے اور بلاغت قرآن کی شان اسی ترکیب کی مقتضی ہے سوء اور فحشاء ہر دو کی نفی کرنے سے اس امر کا اشارہ مقصود ہے۔کہ یوسف علیہ السلام نہ تو ابتدائی مراحل میں فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے اور نہ آخر میں.....(جاری ہے)

حواشی

۱۔غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے بتقدیر ازلی ایسا وقوع میں آنا ایک قسم کا پیش خیمہ تھا۔ نزول رحمت باری کا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو انابت اور خشیت اور رجوع الی اللہ کے لئے حضرت انسان کو کوئی موقع نہ دیا جاتا۔اور اس لئے وہ عبودیت کے مراتب کمال پر کبھی ترقی نہ کرسکتا کیونکہ نزول رحمت کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے۔سوا انکسار نفس اور انابت کے اور کوئی قوی سبب موجب نزول رحمت باری نہیں ہوسکتا اور یہ باتیں صرف اس وقت پیدا ہوتی ہیں جبکہ انسان اپنے صفت اور قصور اور احتیاج کی حقیقت پر غور کرے۔۱۲منہ

۲۔جس امر کی بابت تجھے معلوم نہیں اس کی بابت مجھ سے سوال نہ کر۔میں تجھے بطور وعظ کہتا ہوں کہ جاہل مت بنو۔نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت خدائے تعالی سے اپنے بیٹے کے بچالینے کی استدعا کی تھی اس پر آپ کو الفاظ مذکورہ بالا میں عتاب ہوا۔۱۲۔منہ.....خدایا تو نے یہ سلسلہ کائنات عبث پیدا نہیں کیا۔۱۲منہ

۳۔جناب پیغمبر علیہ السلام مع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مکہ سے نکل کر جبل ثور میں جا چھپے تھے تو راستے میں مخالفین کے آدمی نے صدیق اکبر سے سوال کیا۔من معک یعنی تیرے ساتھ کون ہے۔تو آپ نے فرمایا۔رجل یھدی الی السبیل یعنی یہ ایک آدمی ہے جو راستہ بتاتا ہے وہ شخص یہ سن کر چلا گیا۔کتب عربیہ میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔۱۲منہ.....ہماری حجت باہرہ سے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی مشرک قوم کے برخلاف دی ہم جس کے لئے چاہیں اس کے درجات کو علمی کمال میں بلند کردیں۔۱۲منہ.....

۴۔زیادہ مستحق ہونے کا لفظ حضور علیہ السلام نے محض بطور انکسار کے فرمایا۔ورنہ مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی نبی اللہ شک کرتا۔تو میں بھی شک کرتا۔۱۲منہ

۵۔جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزار ہوگئے۔۱۲منہ

۶۔اگر خود مجھ میں طاقت ہوتی یا کسی زبردست صاحب قوت کی مجھے مدد ملتی تو میں تمہارا مقابلہ کرتا۔۱۲منہ

خلفائے راشدین کا

اجتہادی منہج اور نوعیت

اور

عصر حاضر میں اس سے استفادہ

☆

تحقیق: حافظ شعیب احمد

گورنمنٹ کالج جڑانوالہ

☆

ناشر: دارالنوادر الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور

ملنے کا پتہ: کتاب سرائے لاہور..... فضلی بک سپر مارکیٹ کراچی

☆

دارالنوادر.....لاہور